الاُمّیؐ کے معنیٰ کی تحقیق اور اس کے اطلاقات

(The meaning of al-Ummī and its Applications)

پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج*

Abstract

Muḥammad (peace be upon him), the last Messenger of God is being remembered by the title of "al-Ummī." This title has distinguished him from other Messengers, as none of them (whether mentioned in the Qur'ān or in the pre-Qur'ānic revelations) was titled as such. Usually, "al-Ummī" is considered to signify someone who is unlettered or deprived of the capability of reading and writing. With these connotations, the term does not suit to be used for the last Prophet (peace be upon him) or any other preceding prophet anyway. According to the writer, this title was given to Prophet Muḥammad (peace be upon him) to describe his unique position and individual status. As unlike other prophets before him, he was born in Umm al-Qurā (Makkah) and thus was called "al-Ummī", attributed to "the mother of cities". If al-Ummī is taken in the sense of being unlettered, all the prophets would then qualify to be called "al-Ummiyyūn" due to the fact that they also did not acquire knowledge of revelation from any other source but Allah.

رسول اکرم ﷺ، سلسلۂ نبوت و رسالت کی آخری کڑی ہیں۔ آپ ﷺ کی بعثت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء کا جواب اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا ظہور ہے۔ آل عمران کی آیت نمبر ۸۱ کی ایک معروف تفسیر کے مطابق، عالم ارواح میں، اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں سے آپ کی رسالت پر ایمان لانے اور آپ کی نصرت کرنے کا عہد لیا تھا۔ آپ ﷺ کا آخری پیغمبر ہونا، عالمِ انسانیت کے حق میں ایک بہت بڑی رحمت اور عالمی سطح پر باہم وگر اتحاد و اتفاق کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ اور یہی وہ نکتۂ مرکزیہ ہے کہ جو سب اقوام و ملل میں باہمی پیار و محبت اور مودت و رحمت کی بنیاد بن سکتا ہے۔

تمام مذاہب کی کتابوں میں کسی ایک "آنے والا" کا جو تذکرہ ملتا ہے۔ وہ دراصل پیغمبرِ اسلام پر ہی منطبق

* رئیس کلیہ معارفِ اسلامیہ، جامعہ کراچی / ڈائریکٹر سیرت چیئر، جامعہ کراچی

ہوتا ہے۔ اس کسوٹی پر کوئی دوسرا آج تک نہ اتر سکا اور نہ ہی اتر سکتا ہے۔ دنیا بھر کے تمام مذاہب والے بظاہر آج بھی اس کے منتظر ہیں۔ جبکہ وہ اس دنیا میں آکر سب اقوام کے ایمان و نصرت کا خود منتظِر رہا۔ اس کے ماننے والے چودہ صدیوں سے آج تک تمام اقوام و ملل کے منتظر ہیں کہ وہ آگے بڑھیں اور پیغمبرِ امن و سلامتی کو اپنا منتَظَر مان کر دنیا کو امن و آشتی کا گہوارہ بنا دیں۔

ہم نے تو مان ہی لیا، آپ ہیں روحِ کائنات　　　لوگ بھی مان جائیں گے، آج نہیں تو کل سہی

آمدم بر سر مطلب! از روئے قرآن حکیم:

نبی رحمت ﷺ کو الرسول النبی الامی کے القاب سے توراۃ و انجیل میں، جو یاد کیا گیا ہے، وہ بلا سبب نہیں ہے۔ الرسول اور النبی کے معانی تو سب پر واضح ہیں۔ اس لئے اس مضمون میں اس پر گفتگو نہیں ہوگی اور ویسے بھی ہمارا موضوع لفظ اُمّی کی توضیح اور تحقیق پر مشتمل ہے۔

لفظ الامی کی وضاحت میں مختلف معنیٰ پیش کئے جاتے ہیں۔ جو کہ یہ ہیں:

ا۔ ناخواندہ، ان پڑھ، جاہل، بے پڑھا لکھا۔

۲۔ اپنی اصل پر قائم رہنے والا۔ اصل سے مراد فطرت ہے، جس پر وہ پیدا ہوا اور تادمِ مرگ اس پر قائم رہا۔

۳۔ مکہ کا رہنے والا

۴۔ صاحبِ امت یعنی امت والا۔ بایں معنیٰ امت کی ت کو نسبت کے وقت حذف کر دیا جاتا ہے۔ جیسے "مکۃ" سے مکی اور "مدینۃ" سے مدنی میں "ت" حذف کر دی جاتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنجناب ﷺ کو جو الامی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اس کا معنی کیا ہے؟ بالعموم ہمارے مترجمین و مفسرین نے الامی کا معنی ان پڑھ، بے پڑھا اور ناخواندہ جیسے الفاظ سے کیا ہے۔ اور اس ظاہری عیب کو آپ ﷺ کا وصف شمار کیا ہے۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

سورۃ الاعراف کی دو متصل آیات (۱۵۷۔۱۵۸) میں آپ کو اُمّی قرار دیا گیا ہے۔ پہلی آیت میں یہ ذکر اس طرح آیا ہے:

"الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ" (الاعراف، 157)

"جو لوگ اس رسول، نبی، امی (لقب والے) کی پیروی کرتے ہیں۔ جنہیں وہ اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں"

آیت میں "عندھم" کی ضمیر، توراۃ و انجیل کے ماننے والوں کی طرف جاتی ہے مراد اس سے اہلِ کتاب ہیں۔ اور پھر آگے چل کر انہی کتابوں کے ماننے والوں کی تعریف و توصیف بایں الفاظ کی گئی ہے۔

"فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ" (الاعراف، 157)

پس جو لوگ ایمان لائے اور ان کی تعظیم کی اور ان کی نصرت و حمایت کی اور اس نور کی پیروی کی، جو ان کے ساتھ نازل کیا گیا۔ وہی فلاح پانے والے ہیں۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ پیغمبر اسلام کا تعارف، کتب ماسبق میں فقط الرسول اور النبی کا نہیں بلکہ الامی کا بھی ہے۔ اور یہی آپ کی خصوصیت ہے۔ جس نے آپ کو زمرۂ انبیاء ورسل میں ممتاز کر دیا ہے۔ اس لئے اُمی کا معنیٰ اگر بے پڑھا، ان پڑھ یا ناخواندہ سے کیا جائے اور تفسیری حاشیہ میں کچھ اس طرح وضاحت کر دی جائے کہ چونکہ آپ نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیے۔ کسی سے کسی قسم کی تعلیم حاصل نہیں کی۔ اس لیے آپ کو اُمی کہا جاتا ہے تو جناب! مجھے کہنے دیجئے کہ یہ تعریف تو سب نبیوں پر صادق آتی ہے۔ اس میں ہمارے نبی کی تخصیص کیا؟ اس معنی کی رو سے کیا حضرت آدم علیہ السلام اُمّی نہ تھے؟ (بلکہ وہ تو بدرجہ اولیٰ تھے) کیا حضرت نوح علیہ السلام نے کہیں سے پڑھا تھا؟ کیا حضرت ادریس علیہ السلام نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کئے تھے؟ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی تھی؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی مکتب میں بٹھائے گئے تھے؟ وَقِس علیٰ ذلك! اس معنیٰ کی رو سے ہمیں جملہ انبیائے کرام کو اُمّی ماننا پڑے گا اور بایں صورت یہ ہمارے نبی ﷺ کی خصوصیت نہ رہے گی۔ بلکہ یہ وصف بھی نبوت و رسالت کا لازمہ یا عارضہ بن جائے گا۔ حالانکہ مذکورہ بالا آیت کے مطابق تورات و انجیل میں وارد "الامی" کے وصف امتیازی نے رسول کو الرسول اور نبی کو النبی کر دیا ہے۔ یعنی نکرہ کو معرفہ بنا دیا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ اب عام رسول نہیں بلکہ خاص رسول ہے۔ اس طرح عام نبی نہیں بلکہ خاص نبی ہے۔ اور یہ وہ رسول و نبی ہے۔ جو "الامّی" ہے۔ یعنی وہ اُمّ القریٰ کا رہنے والا ہے۔ (اس کی وضاحت ذرا آگے چل کر آتی ہے) یہ وہ نسبت ہے، جس میں کوئی نبی بھی اس کا شریک نہیں ہے۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر جناب عیسیٰ علیہ السلام تک کوئی پیغمبر بھی ایسا نہیں۔ جو اُمّ القریٰ میں پیدا ہوا ہو۔ چنانچہ اس معنیٰ کی رو سے سوائے آپ ﷺ کے کسی پیغمبر کو اُمّی نہیں کہا جا سکتا۔

مذکورہ بالا آیت میں، میں نے اُمّی کا مطلب اُمّ القریٰ کی نسبت سے بیان کیا ہے۔ قبل اس کے کہ میں الاعراف

کی اگلی آیت (نمبر ۱۵۸) کی وضاحت کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُمّ القریٰ کی بھی قدرے وضاحت کر دوں۔

اُمّ القریٰ کا لفظی معنی ہے۔ بستیوں کی اصل یا بستیوں کا مرکز یا بستیوں کا مرجع۔ اور قرآن مجید کی رو سے یہ مکہ معظمہ کا معروف نام ہے۔ اس سلسلے میں قرآنی سند ملاحظہ فرمائیے۔

"وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا"(الانعام، ۹۲)

"یہ کتاب (یعنی قرآن) جسے ہم نے نازل کیا ہے۔ بڑی بابرکت اور اس کتاب کی مصدق / مصداق ہے جو اس سے پہلے دی گئی تاکہ تم اس کے ذریعے اُمّ القریٰ (مرکزی مقام) اور اس کے تمام اطراف وجوانب کی بستیوں کو انذار کرو"

اس آیت میں اُمّ القریٰ کا لفظ، مکۃ المکرمۃ کے لئے آیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک آیت اور ملاحظہ ہو:

"وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا" (الشوریٰ/۷)

"اور اسی طرح ہم نے تمہاری طرف یہ واضح اور بولتا ہوا قرآن اتارا تاکہ تم اس (قرآن) کے ذریعے اُمّ القریٰ (مرکزی مقام) اور اس کے تمام اردگرد کی آبادیوں (یعنی کُل دنیا) کو انذار کرو"

یہاں بھی اُمّ القریٰ کا لفظ مکہ معظمہ کے لئے آیا ہے۔ امام راغب اصفہانی (متوفٰی ۵۰۲ھ) نے لکھا ہے:

"وقیل لمکۃ اُمّ القریٰ وذٰلك لما روی ان الدنیا دحیت من تحتھا"[1]

"اُمّ القریٰ مکہ کو کہا جاتا ہے اس لئے کہ زمین اس کے نیچے سے بچھائی گئی ہے۔ یعنی وہ زمین کا مرکز ہے"

اُمّ القریٰ (مکہ) کی جغرافیائی مرکزیت اس لحاظ سے بھی مُسلَّم ہے کہ تمام براعظموں کے مسلمان جیومٹری میں استعمال ہونے والے پرکار، کے مرکزی نقطہ کی طرح اسے اپنا مرکز و محور سمجھتے ہیں۔ اور قدیم جغرافیہ دانوں کی تحقیق کے مطابق بھی یہ کرۂ ارض کے عین مرکز میں واقع ہے۔ اور جدید دنیا اس کے نیچے آباد ہے۔ گویا وہ معنیٰ جو امام راغب نے کئے ہیں۔ وہ اپنے ظاہر میں بھی درست ہیں۔ نیز اُمّ القریٰ اسے اس لئے بھی کہا گیا ہے کہ ساری دنیا کو روحانی غذا یہیں سے ملتی ہے۔ کیونکہ خانۂ کعبہ کو (جو مکہ میں واقع ہے) تمام دنیا کا قبلہ (مرکز و مرجع) قرار دیا گیا ہے۔ بایں سبب دنیا بھر کے لوگ اُمّ القریٰ میں اس طرح اکٹھے اور جمع ہوتے ہیں جیسے بچے اپنی ماں (اُمّ) کی طرف مراجعت کرتے ہیں اس لئے صحیح معنی میں یہ تمام بستیوں اور

آبادیوں کی ماں ہے۔

اُمّ القریٰ میں آپ کا ظہور، دراصل آپ کے "مرکزی رسول" ہونے کا اعلان ہے۔ کیونکہ خاتم النبیین والمرسلین کی بعثت کا مرکز، وہی مقام ہو سکتا تھا جو دنیا کا مرکز ہے۔ بایں معنی اُمّی کا مطلب ہوا۔ مرکزیت و مرجعیت کی حامل شخصیت۔

جس طرح مکہ معظمہ تمام بستیوں اور آبادیوں کا مرکز اور مرجع ہے۔ اسی طرح آپ جناب ﷺ کی ذاتِ گرامی بھی تمام جہانوں کے لیے بطور مرکز اور مرجع کے ہے اور یہی معنی ہے آپ کے الامی ہونے کا۔ جیسا کہ امام راغب نے لکھا ہے۔ "وقیل سمی بذلك لنسبته الیٰ ام القری"[2] یعنی آپ کو اُمّ القریٰ کی نسبت سے بھی اُمّی کہا جاتا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح حضر موت کے رہنے والے کو حضری کہا جاتا ہے۔

بعض لوگ "اُمّ القریٰ" کی نسبت سے "اُمّی" کے لفظ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ از روئے قواعد عربیہ اُمُّ القریٰ سے اُمّی کا لفظ نہیں بنتا۔ گو اس کے جواب میں علماء اور محققین کی متعدد شہادتیں پیش کی جا سکتی ہیں مگر میں اس مقام پر قرآن مجید سے استشہاد کرنا چاہتا ہوں۔ جس کے بعد کسی شہادت کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

سورۂ قصص کی آیت نمبر ۵۹ میں "فی اُمھا" کے الفاظ آئے ہیں۔ جہاں اُمّ سے مراد "مرکزی مقام" کو لیا گیا ہے۔ آیت ملاحظہ ہو:

"وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَى حَتَّى يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا"

"تیرا رب، بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان کے مرکزی مقام میں رسول نہ بھیج دے، جو ان پر ہماری آیتیں پڑھتا ہو"

جس طرح ہر نبی کی نبوت کا ایک مرکزی مقام ہوتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کی نبوت کا بھی ایک مرکزی مقام ہے۔ اور وہ اُمّ القریٰ ہے۔ جسے بطور تلخیص و اختصار اُمّ بھی کہا جاتا ہے۔[3] معاف کیجئے گا۔ بات ذرا لمبی ہو گئی۔ اوپر عرض کیا تھا کہ "قبل اس کے کہ الاعراف کی آیت نمبر ۱۵۸ کی وضاحت کروں۔ مناسب سمجھتا ہوں کہ لفظ اُمّ القریٰ کی وضاحت کر دوں۔ سو اس وضاحت کے بعد متذکرہ بالا آیت کی تشریح پیش نظر ہے:

آیت میں بھی آپ کو انہی تین القاب سے یاد کیا گیا ہے۔ یعنی الرسول۔ النبی۔ الامّی۔ آیت ملاحظہ ہو:

"قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ"

"اے پیغمبر! لوگوں سے کہہ دو کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں (اُس اللہ کا) جس کے لیے ہی آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی جِلاتا اور وہی مارتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے رسول النبی الامی پر جو ایمان رکھتا ہے اللہ اور اُس کے کلمات پر، اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم راہ یاب ہو"

اس آیت میں "یا ایھا الناس" اور "الیکم جمیعا" کے الفاظ کی عمومیت پر کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ دنیا جہان کے تمام افراد اس میں شامل ہیں۔ یہ آیت آپ کی رسالت کے بیکراں ہونے پر نصّ کے طور پر وارد ہوئی ہے۔ اس سے آپ کی رسالت کی "مرکزیت" بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ ایسا دعویٰ کسی نبی کے ہاں نہیں ملتا۔ قبل ازیں تمام نبی اور رسول زمان و مکان کی حدود میں نبوت و رسالت کے منصب پر فائز کیے گئے۔ جب کہ عالمی نبوت و رسالت کا اعلان فقط اور فقط محمد رسول اللہ ﷺ نے کیا۔ ظاہر ہے کہ مرکزی رسالت کے اعلان کے لئے مرکزی مقام کا ہونا ضروری تھا۔ اس لئے اس آیت میں مرکزی رسالت کے اعلان کے ساتھ ہی رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو النبی الاُمّی کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ جس کا صاف اور صریح مطلب ہے دنیا کے مرکزی مقام پر ظاہر ہونے والا مرکزی پیغمبر، جس کی دعوت کُل عالم کے لئے ہے۔ چنانچہ کل عالم کے داعی کو الاُمّی (یعنی مرکزی حیثیت کا حامل) ہی ہونا چاہیئے وگرنہ اس مقام پر اس لفظ کے استعمال کا کوئی دوسرا معنی نہیں بنتا۔ یہ وہ آیات تھیں کہ جن میں آپ ﷺ کو براہ راست اُمّی کے لقب سے ملقب کیا گیا۔ اب ایک اور آیت دیکھیئے کہ جس میں یہ لفظ، نبی اکرم ﷺ کے تعلق سے جمع کے صیغے میں آیا ہے۔ اس لئے اس مقام کو سمجھنا بھی بہت ضروری ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ. وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ"(الجمعة:۲۔۳)

"وہ وہی ہے کہ جس نے اُمّی لوگوں میں انہی میں سے (عظمت والے) رسول کو بھیجا۔ وہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ قبل ازیں وہ کھلی گمراہی میں تھے۔ اور انہی میں کے دوسرے جو ابھی ان سے نہیں ملے۔ اور وہ (اللہ) غالب حکمت والا ہے"

آپ کہیں گے کہ یہاں امیین کا لفظ، نبی اکرم ﷺ کے تعلق سے کیسے آیا ہے؟ تو میں عرض کروں گا کہ رسولاً منھم میں جو ھم کی ضمیر آئی ہے اس کا مرجع امیین کے سوا اور کیا ہے؟ یعنی یہ وہ رسول ہے جو انہی

امیین میں سے ہے۔ یہاں امیین کا لفظ داعی اور مدعوئین دونوں کے لیے آیا ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ اس اشتراک لفظی کے تحت امیین کا وہ معنی بیان کیا جائے، جو دونوں میں مشترک ہو اور وہ سوائے اس کے کوئی اور نہیں بنتا کہ امیین سے مراد اہلِ مکہ کو لیا جائے یعنی اُمّ القریٰ کے رہنے والے۔ اس معنی کی رو سے مذکورہ بالا آیت میں مطلوب حصے کا ترجمہ یہ ہو گا۔ وہ وہی ہے کہ جس نے مکہ والوں میں انہی میں سے ایک (عظمت والا) رسول بھیجا۔ بصورتِ دیگر اس کا ترجمہ یہ ہو گا۔ وہ وہی ہے کہ جس نے جاہلوں میں اُنہی میں سے ایک عظمت والا رسول بھیجا، اور یہ ترجمہ کسی طرح بھی رسول اکرم ﷺ کے شایانِ شان نہیں ہے اور نہ ہی مطابقِ قرآن ہے۔

اب آپ سورۂ جمعہ کی اس آیت کو، سورۂ بقرہ کی روشنی میں دیکھئے:

" رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ"(البقرہ:۱۲۹)

"اے ہمارے پروردگار! ان میں (یعنی مکہ والوں میں) انہی میں سے ایک عظمت والا رسول مبعوث فرما"

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وہ دعا ہے جو تعمیر کعبہ کے وقت، رب کے حضور پیش کی گئی۔ اس دعا میں رسولاً منھم، اس معنی میں آیا ہے جس معنی میں سورۂ جمعہ میں آیا ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ اس کے ماقبل سورۂ بقرہ میں "فیھم" کا لفظ آیا ہے اور سورۂ جمعہ میں فی الامیین کا۔ ظاہر ہے کہ "فی الامیین" کا مطلب وہی ہے، جو "فیھم" کا ہے۔ اور فیھم کا مطلب کسی طرح بھی ناخواندہ جاہل اور ان پڑھ نہیں بنتا۔ اس کا مطلب بنتا ہے "انہی میں" یعنی مکہ والوں میں۔ تولا محالہ فی الامیین کا مطلب بھی یہی ہو گا۔ بصورتِ دیگر دعائے ابراہیمی اور جواب خداوندی میں کوئی مناسبت نہیں رہے گی۔

یہاں تک تو اُمّی کا معنی آنحضرت ﷺ کے تعلق سے بیان ہوا۔ اب آیئے وہ تین مقامات بھی دیکھ لیں کہ جہاں یہی لفظ جمع کے صیغے میں دوسروں کے تعلق سے استعمال ہوا ہے۔ سب سے پہلے سورۂ آل عمران کی آیات نمبر ۲۰ اور ۷۵ ملاحظہ ہوں:

فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ. (آل عمران:۲۰)

"سو اگر وہ تم سے جھگڑا کریں تو کہہ دو کہ میں نے اپنے معبود کے سامنے اپنی گردن جھکا دی ہے اور میرے متبعین نے بھی اور تم ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی اور

امیین یعنی اہلِ مکہ سے (جو کسی آسمانی کتاب کے مدعی نہیں ہیں) کہدو کہ کیا تم بھی (اللہ تعالیٰ کے حضور) اپنی گردن جھکانا چاہتے ہو؟ پھر اگر وہ مان لیں تو وہ ضرور کامیاب ہوں گے اور اگر وہ روگردانی کریں تو تم پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔ اللہ اپنے تمام بندوں (کے اعمال) کو دیکھنے والا ہے"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی دعوت صرف امیین یعنی اہلِ مکہ کے لئے نہیں تھی بلکہ ان لوگوں کے لئے بھی تھی جنہیں کتاب دی گئی۔ یہاں ان دونوں گروہوں کو یکساں خطاب کرنے میں دراصل اس امر کا اظہار ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دعوت، کُل عالم کے لئے ہے۔ یہ وہی بات ہے جو سورۂ انعام کی آیت نمبر ۹۲ اور سورۂ شوریٰ کی آیت نمبر ے میں "اُمّ القریٰ ومن حولھا" کے الفاظ میں آئی ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ شہر مکہ کو مرکز اور کُل عالم کو اس کا "حول" قرار دے کر، انذار کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ آیت اپنے اصل مضمون کے اعتبار سے آنحضرت ﷺ کی عالمی اور مرکزی نبوت ورسالت کی بھرپور آئینہ دار ہے۔

چنانچہ اس آیت میں موجود لفظ اُمّیین سے ان پڑھوں کا مفہوم اخذ کرنا کسی طرح بھی ٹھیک نہیں ہے۔ جبکہ قرآن مجید میں یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا ہوا ہے کہ اہلِ مکہ، نوشت وخواند سے اچھی طرح واقف تھے۔ اگر وہ واقف نہ ہوتے تو یہ ہرگز نہ کہتے۔

"وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرَؤُهُ" (بنی اسرائیل:۹۳)

"اور ہم تمہارے (آسمان پر) چڑھنے پر بھی ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ تم ہم پر ایک کتاب نہ اتار لاؤ۔ جسے ہم پڑھیں"

ذرا سوچیئے یہ مطالبہ کیا نوشت وخواند سے عاری کسی قوم کا ہو سکتا تھا؟ اس سلسلے میں مزید، سورۂ مدثر کی آیات (۵۲-۵۳) بھی دیکھئے:

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُؤْتَى صُحُفًا مُنَشَّرَةً. كَلَّا بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ.

"بلکہ ان (کفار مکہ) میں سے ہر فرد بشر کا مطالبہ یہ ہے کہ کھلے ہوئے اوراق، لکھے لکھائے صحیفے کی صورت میں انہیں عطا کر دیئے جائیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ لوگ آخرت سے بے خوف ہیں"

بتایئے! کیا یہ مطالبہ کرنے والے ان پڑھ، جاہل اور نوشت وخواند سے عاری ہو سکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ اور اب ہمارے سلسلۂ بیان کی پانچویں آیت ملاحظہ ہو:

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ.

(آل عمران:۷۵)

اس آیت میں موجود لفظ "امیین" کا ترجمہ بالعموم ان پڑھوں اور جاہلوں کے الفاظ سے ادا کیا جاتا ہے نمونہ کے طور پر ایک ترجمہ ملاحظہ ہو:

"بعض اہلِ کتاب تو ایسے ہیں کہ اگر انہیں تو خزانے کا امین بنادے تو بھی وہ تجھے واپس کر دیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تو انہیں ایک دینار بھی امانت دے تو تجھے ادا نہ کریں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ تو اس کے سر پر ہی کھڑا رہے۔ اس لئے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ ہم پر ان جاہلوں (غیر یہودی) کے حق کا کوئی گناہ نہیں۔ یہ لوگ باوجود جاننے کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں" (ترجمہ: مولانا محمد جونا گڑھی)

آیت کے مطابق یہاں اہلِ کتاب کا اُمّیین کے ساتھ امانتوں کے واپس کرنے اور نہ کرنے کا معاملہ بیان ہوا ہے۔ ظاہراً لفظ "اِلیک" کا خطاب، مسلم برادری کے ہر فرد سے معلوم ہوتا ہے۔ یوں بعض اہل کتاب کا یہ معاملہ بالعموم تمام مسلمانوں کے ساتھ تھا نہ کہ مشرکین مکہ کے ساتھ اس لئے کہ وہ تو ایک دوسرے کے حلیف اور مددگار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ امتیاز کے طور پر مسلمانوں کو "اُمّیین" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ اگر یہاں اُمّیین کا معنی جاہلوں اور ان پڑھوں سے کیا جائے تو اس کا مطلب بڑا مضحکہ خیز ہوگا اور وہ یہ کہ وہ (یہودی) پڑھے لکھے لوگوں کو تو ان کی امانتیں واپس کر دیا کرتے تھے۔ مگر جاہلوں اور ان پڑھوں کے ساتھ بد دیانتی کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ معنی تو کسی کو بھی قبول نہ ہوگا۔

پس آیت کا صحیح معنی یہ ہے کہ بعض اہل کتاب مسلمانوں کو اپنے مذہب کا مخالف سمجھ کر بد دیانتی کا ارتکاب کرتے تھے۔ یعنی ان کی گمراہی یہ تھی کہ وہ اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ تو کوئی بد معاملگی نہ کریں لیکن اگر کوئی شخص، کسی دوسرے مذہب کا ہو تو اس کے ساتھ دیانت داری کا مظاہرہ کرنا کچھ ضروری نہ سمجھیں۔ یہی ان کی وہ فکری، اعتقادی اور عملی کجروی تھی، جس کی قرآن نے قلعی کھولی ہے۔ چنانچہ اس آیت میں اُمّیین کا لفظ مسلمانوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ نہ کہ جاہلوں اور ان پڑھوں کے لئے۔

یہاں یہ امر واضح ہو کہ اکثر مترجمین و مفسرین کے برعکس یہاں امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُمّیین سے مراد بنی اسماعیل کو لیا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ مسلمان ہیں یا مشرک۔ بہر حال ان کی تفسیر بھی

ایک اعتبار سے ہمارے حق میں ہے۔ کیونکہ انہوں نے بھی یہاں ان پڑھوں کے مفہوم سے انکار کیا ہے۔[4]
اور اب ہمارے سلسلۂ بیان کی آخری آیت ملاحظہ ہو:

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ) (البقرۃ:۷۸)

"ان اہلِ کتاب میں کچھ نام نہاد علماء (اُمّیون) ہیں جنہوں نے اپنی جھوٹی آرزوؤں اور خوش فہمیوں کو، کتاب کا درجہ دے رکھا ہے اور محض ظنون و اوہام میں مبتلا ہیں"

یہ آیت اپنے اطلاق و انطباق میں گذشتہ آیتوں سے بالکل مختلف ہے اس میں اُمّیون کا لفظ، اہلِ کتاب (یہودیوں) کے نام نہاد علماء کے تعلق سے آیا ہے۔ مگر معنیٰ میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ آپ یہ سوال کریں کہ اُمّیون کے اس معنی کی سند کیا ہے؟ سو عرض ہے کہ اپنی آرزوؤں اور خواہشوں کو کتاب الٰہی کا درجہ دینے والے علماء ہوتے ہیں کہ جہلاء؟ واضح رہے کہ اس امر کی نشاندہی خود قرآن مجید نے اگلی آیت میں کر دی ہے کہ وہ علماء تھے جہلاء نہ تھے۔ آیت ملاحظہ ہو:

"فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا" (البقرۃ:۷۹)

"پس افسوس ہے ان پر جن کا شیوہ یہ ہے کہ خود اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں (یعنی اپنی آرزوؤں اور خواہشوں کو فتوؤں کی شکل میں) پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے (یعنی اس میں جو کچھ تحریر ہے وہ سب احکام خداوندی ہیں) اور یہ سب کچھ اس لئے کرتے ہیں کہ اس کے بدلے تھوڑا سا فائدہ دنیوی حاصل کر سکیں"

ظاہر ہے کہ اپنے ہاتھوں سے کتابیں لکھنے والے، نوشت و خواند سے ناواقف نہیں ہو سکتے۔ یہ کام تو علماء ہی کر سکتے ہیں۔ کہ اپنی خواہشوں اور آرزوؤں کو فتووں کی شکل میں لکھ دیں اور اسے حکم شریعت بنا دیں۔

بہر حال یہ قرآن مجید کا واحد مقام ہے کہ جہاں اُمّیون کا لفظ یہود کے لئے آیا ہے نہ صرف یہود بلکہ علمائے یہود کے لئے۔

یہاں یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا اگر میں اردو کے دو ایک مترجموں اور مفسروں کے نمونے بھی پیش کر دوں کہ جنہوں نے اُمّیون کے معنیٰ تو ان پڑھ کے لئے ہیں مگر ساتھ ہی اَمَانِیَّ کے معنیٰ پڑھنے کے لئے ہیں۔ اس طرح اُمّیون کا لفظ خود ان کے نزدیک اپنے معانی (یعنی جاہل، ان پڑھ، ناخواندہ وغیرہ) سے ہٹ گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

مولانا محمد جوناگڑھی نے اس آیت کا ترجمہ بایں الفاظ کیا ہے:

"اور ان میں سے بعض ان پڑھ ایسے بھی ہیں کہ جو کتاب کے صرف ظاہری الفاظ کو ہی جانتے ہیں اور صرف گمان اور اٹکل ہی پر ہیں" [5]

مفتی احمد یار خان نعیمی رقمطراز ہیں:

"لایعلمون الکتاب" اس کتاب سے توریت شریف مراد ہے اور علم سے جاننا مراد ہے یا سمجھنا۔ یعنی پڑھ تو لیتے ہیں۔ سمجھتے نہیں" [6]

مولانا احمد سعید کاظمی فرماتے ہیں:

"اس آیت کریمہ میں "اُمّیون" سے جہلاء یہود مراد ہیں۔ جنہیں توراۃ کا کچھ علم نہ تھا۔ زیادہ سے زیادہ توراۃ پڑھ لیتے تھے لیکن اس کے معنیٰ سمجھنے میں وہ جاہل تھے۔ انہیں توراۃ کے معانی کا کچھ علم نہ تھا" [7]

واضح رہے کہ مذکورہ بالا حوالے، ہمارے مؤقف کے حق میں فقط تائید کے طور پر لائے گئے ہیں جہاں تک آیت میں موجود لفظ اُمّیون کا تعلق ہے وہ قرآنی سیاق کے مطابق پہلے ہی علمائے یہود کے حق میں ثابت کیا جاچکا ہے۔

خلاصۂ مضمون کے طور پر عرض ہے کہ:

ا۔ قرآن مجید کی سورۂ اعراف کی دو متصل آیات (۱۵۷۔۱۵۸) میں آنحضرت ﷺ کے تعلق سے جو لفظ الاُمّی آیا ہے۔ اس کے معنی مرکز و مرجع کے ہیں۔ اور جو مرکز و مرجع ہو، اس کے خاتم النبیین و المرسلین ہونے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔

۲۔ آنحضرت ﷺ کو اُمّ القریٰ میں ظاہر ہونے کی وجہ سے اُمّی کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے۔ جس طرح اُمّ القریٰ تمام بستیوں کا مرکز اور تمام آبادیوں کا مرجع ہے۔ اسی طرح اُمّ القریٰ کی نسبت سے ظاہر ہونے والا رسول بھی انہی خصوصیات کا حامل ہے۔ یعنی عالمی رسول اور مرجع خلائق۔

۳۔ آپ کے اُمّی لقب ہونے کا تذکرہ توراۃ وانجیل میں پایا جاتا ہے۔ دراصل یہ آپ کی بعثت کی پیش گوئی تھی کہ وہ اُمّ القریٰ کا باسی ہوگا۔ نیز عالمی مرکزی مقام پر ظاہر ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ مرکزی یعنی عالمی رسول ہوگا۔ اور یہ اس کے خاتم النبیین والمرسلین ہونے کی دلیل بھی ہے۔

۴۔ سورۂ جمعہ کی آیت نمبر ۲ میں اُمّیون کا لفظ آنحضرت ﷺ کے تعلق سے اہلِ مکہ کے لئے استعمال ہوا ہے جس کی تفسیر سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۲۹ سے بھی ہوتی ہے۔

۵۔ سورۂ انعام کی آیت نمبر ۹۲ اور سورۂ شوریٰ کی آیت نمبر ۷ سے آنحضرت ﷺ کی عالمی اور مرکزی

نبوت ورسالت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

۶۔ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۲۰ میں اُمّیین کا لفظ اہلِ مکہ کے لئے جبکہ آیت نمبر ۷۵ میں اُمّیون کا لفظ مسلمانوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ خواہ وہ مکہ کے رہنے والے ہوں یا مدینے کے۔

۷۔ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۵۹ میں اُمّیون کا لفظ، علمائے یہود کے لئے استعمال ہوا ہے۔

۸۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۹۳ اور سورۂ مدثر کی آیات نمبر ۵۲۔۵۳ کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ اہلِ مکہ نوشت وخواند سے اچھی طرح واقف تھے۔ انہیں ناخواندہ سمجھنا قرآن کے خلاف ہے۔

حواشی وحوالہ جات

[1]۔ الاصفہانی، امام الراغب، المفردات فی غریب القرآن، ص ۲۲، الناشر، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ۔ کراچی، سن اشاعت درج نہیں۔

[2]۔ ایضاً، ص ۲۴

[3]۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر) جلد اول (الف مقصورہ) اردو ترقی بورڈ، کراچی، ۱۹۷۷ء

[4]۔ اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، جلد دوم، ص ۱۲۳، تفسیر زیرِ آیت نمبر ۷۵، آلِ عمران، فاران فاؤنڈیشن، ۱۹۸۳ء

[5]۔ جوناگڑھی، مولانا محمد، اردو ترجمہ قرآن، جس کا کوئی نام نہیں، شائع کردہ، شاہ فہد قرآن کریم پر نٹنگ کمپلیکس، سعودی عرب، سنہ اشاعت درج نہیں۔

[6]۔ نعیمی، مفتی احمد یار خان، تفسیرِ نعیمی، جلد اول، ص ۴۵۴، مکتبہ اسلامیہ، مفتی احمد یار خان روڈ، گجرات، سنہ اشاعت درج نہیں۔

[7]۔ کاظمی، مولانا احمد سعید، التبیان مع البیان (پہلا پارہ) ص ۲۴۲، کاظم پبلیکیشنز، انوار العلوم، ملتان، بار اول، ۱۹۹۳ء